دین اسلام کا سیاسی رخ اور گلوبلائزیشن

مؤلف: ڈاکٹر غلام رضا بھروزلک
مترجم: مولانا مہدی باقر خان

گذشتہ دو صدیوں میں مسلمانوں کی فکر و عمل کی دنیا میں، سیاسی اسلام ایک اہم تصور کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ عالمی سیاست میں مغربی جدت پسندی اور سیاسی اسلام کے مابین چشمک بالخصوص مغربی جدیدیت کی تعلیمات سے نبرد آزمائی کے حامی، بین الاقوامی سطح پر دین اسلام کے سیاسی رخ کو متعارف کرانے کا اہم سبب رہے ہیں۔ سرد جنگ کا اختتام اور سوشلزم پر مبنی سیاسی نظام کی زوال پذیری جسے مغرب کا آزاد اقتصادی نظام اپنے لئے خطرے کی گھنٹی سمجھتا تھا تاہم روز بروز اسے داخلی مشکل مسائل اور نت نئی تنقیدوں کا سامنا تھا نیز دوسری طرف مسلم ممالک میں اسلامی تحریکوں اور نہضتوں کا معرض وجود میں آنا باعث ہوا کہ مغربی دنیا، سیاسی اسلام کی طاقت وتوانائی کی طرف مزید متوجہ ہوئی یہاں تک کہ اسے سرخ خطرہ ہونے کے بجائے اسلام کے سبز خطرہ ہونے کی بات ماننی پڑی۔ دین اسلام کے سیاسی پہلو کی اہمیت گذشتہ چند دہائیوں بالخصوص ایران کے اسلامی انقلاب اور انتفاضہ فلسطین کے بعد مزید آشکار ہو گئی ہے۔

گذشتہ دو صدیوں میں دنیائے اسلام کی درپیش دو بنیادی پریشانیاں اسلامی ثقافت کی اندرونی زبوں حالی اور مغربی جدت پسندی کی چوطرفہ یلغار سے تعبیر ہیں۔ مفکرین اسلام نے مغربی دانشوروں کے برخلاف اسلامی معاشروں کو موجودہ بحران سے نجات دلانے کے لئے نہ جدید یورپ کا اتباع اور نہ ہی عہد قبل اسلام کی طرف بازگشت کا مشورہ دیا ہے بلکہ اسلام کے روشن ماضی اور اس کی سنت واقدار کی طرف رجوع کرنے کو عظمت رفتہ کی بازیابی کا طریقہ جانا ہے۔اس رو سے اسلامی معاشرہ کی نوسازی اور اس کی بیداری کی اسلامی تحریکیں، مغربی جدیدیت کے مقابل ایک نظریہ بن کر ابھری ہیں تاہم اسے اسلامی معاشروں میں مغرب پرستی کے خلاف رد عمل کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ کشمکش پچھلی دو دہائیوں میں اپنے عروج کو پہونچ چکی ہے۔ اس دوران مغربی جدیدیت نے ایک غیر اسلامی رجحان کو بھڑکانے والے

عنصر کا کام کیا ہے جس کے نتیجہ میں اس سماج کے لوگ مغربی جدت پسندی کے مقابل اور اپنے اپنے ممالک میں حاکم تقریباً جدید اور مغرب نما حکومتوں کی اسلام سازی اور اس کے احیاء کے درپے ہو گئے۔ ان ایام میں مسلم معاشروں کا اصل جھگڑا ان حاکموں اور حکومتوں سے تھا جو مغربی جدت پسندی کی تاسی میں اندھی ہو چکی تھیں۔ جس شدت و طاقت سے مغرب زدہ جدید حکومتیں اسلامی معاشرہ پر حکمرانی کرتی تھیں اتنی ہی شدت وصلابت سے مسلمان سیاسی بیداری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ سیاسی اسلام کا مغربی جدیدیت سے چند الگ الگ انداز میں اب تک تقابل کیا جا چکا ہے۔ پھر بھی گذشتہ چند دہائیوں میں دنیا بھر میں رونما ہونے والے واقعات نے سیاسی اسلام کو نئے حالات سے روبرو کرایا ہے۔ مغربی جدیدیت سے متعلق خود مغربی مفکرین کا تنقیدی رخ اور مابعد جدیدیت اور آفاقیت جیسے نعروں نے دنیا میں اس نظریہ کو نئے حالات سے دوچار کرادیا ہے۔

اس مضمون میں تجزیہ کا موضوع تازہ حالات کی نوعیت، مشکلات اور امکانات، دین اسلام کے سیاسی نقطۂ نظر سے ہے[1]۔ کیا آفاقیت اپنا مضمون و منشور ہے یا محض وہ تازہ حالات جس کے نتیجہ میں مختلف مکاتب فکری کے درمیان نزاع اور تقابلی صورت حال پیدا ہو گئی ہے؟ کیا آفاقیت سیاسی اسلام اور مغربی جدیدیت کے مابین گذشتہ تقابلی کشمکش کا استمرار ہے یا بیسویں صدی کے مقابلہ اسلام کی طرف عالمی جھکاؤ کے تئیں قدرے مختلف حالات فراہم کرنے والا ہے۔ تازہ ترین صورتحال میں سیاسی اسلام کے لئے کیا بہتر مواقع ہیں؟ کیا تازہ حالات اسلامی رجحانات کے عالمی فروغ کے لئے مزید سازگار ماحول فراہم کر سکتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں کوشش یہ ہے کہ مذاکراتی تجزیوں سے استفادہ کیا جائے چنانچہ اس کے لئے مذاکرات کے عالمی منشور کے باب میں موجود مواد کے تجزیہ و تنقید کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ براہ راست آفاقیت پر گفتگو کرنا اس سے مختلف عالمی منشور کے اختلافی نکات پر گفتگو کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ زیر نظر مقالہ کی رو سے، آفاقیت رقابت مذاکراتی اختلافات اور سیاسی و نظریاتی مسائل کے لئے ایک ایسی تازہ صورت حال ہے جو نئے مسائل و مشکلات سے ہم آغوش ہے۔

اس مقالہ میں سیاسی اسلام سے مراد اپنی بحث و گفتگو ہے جو داخلی طور پر چاہے جتنی متنوع ہے مگر مجموعی طور پر اس میں اسلامی تشخص کا احیاء ہی مرکزی خیال کی حقیقت رکھتا ہے چنانچہ اسلامی مفکرین ہمیشہ

۱۔ موثقی، سید احمد، جنبشہای اسلامی معاصر، ص ۹۴

اپنے سیاسی مستقبل پر غور وخوض کرتے وقت اسلامی تعبیرات واصطلاحات سے استفادہ کرتے ہیں اور اپنے سیاسی مستقبل کو اسلام میں ہی تلاش کرتے ہیں۔[۱]

سیاسی اسلام کیا ہے؟

اسلام کے سیاسی رخ کی وضاحت کیسے کی جاسکتی ہے یا یوں کہا جائے کہ اسلام کس طرح گلوبلائیزیشن سے تعاملات کرسکتا ہے؟ کیا واقعاً اس کا وجود ہے یا محض یہ مختلف فکری رجحان کا تنوع ہے؛ یہاں دو باتیں اہم ہیں پہلے سیاسی اسلام کے تصور کی وضاحت اور دوسرے اس کی نظریاتی حقیقت کی تشکیل۔

سیاسی اسلام وہ عنوان ہے جو اس کے سیاسی جہات کی عکاسی کرتا ہے۔ اسلامی بنیاد پرستی، اسلامی بیداری، شدت پسندی اور اسلامی رجحانات جیسے الفاظ وترکیبیں ان مباحث میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ اسلامی تحریکوں کے محقق نے اس سلسلے میں مختلف اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔

واضح رہے کہ بنیاد پرستی اور شدت پسندی جیسی اصطلاحات کسی بھی لحاظ سے اسلامی تحریکوں کی اصلی کیفیت بتانے کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ دینی بنیاد پرستی دراصل مغربی عیسائیت سے جنمی ہوئی فکر ہے جس کا تعلق امریکہ کے بیسویں صدی کے اوائل سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں سے ہے[۲]۔ اس لحاظ سے وہ دنیائے اسلام کے عصری رجحانات سے مختلف ہے[۳]۔ اسلامی شدت پسندی چونکہ مغربی نقطۂ نظر سے سیاسی مسائل میں اسلامی اقدار کی مداخلت سے تعبیر ہے لہٰذا اس نکتہ کے توصیفی معنی کی رو سے کسی نظریہ یا سیاسی عمل کو بیان کرنے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ شدت پسندی بنیادی طور پر ایک ایسی صفت کا نام ہے جو کسی سیاسی نقطۂ عمل کی تعریف وتوضیح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس تفکر سے متعلق عمل میں اعتدال بھی ہوسکتا ہے اور شدت پسندی بھی چنانچہ اسلامی مکتب فکر کے سیاسی رخ پر گفتگو کے لئے سیاسی اسلام اور اسلامی رجحان جیسی تراکیب کو بنیاد پرستی اور ریڈیکلزم جیسی اصطلاحات پر اولویت حاصل ہے۔

۱۔ بابی، سعید، ہراس بنیادین: اروپامداری وظہور اسلام گرایی، غلام رضا جمشیدیھا وموسی عنبری، ص ۲۰

۲۔ Eliade, Encyclopedia of Religion,Macmillan Publishing Company, Inc, Electronic edition produced by Infobases, Inc., Provo, Utah.

۳۔ بھروزلک، غلام رضا، ومہدویت وجہانی شدن، کتاب نقد، ش ۲۴

ایک اہم فکری و نظریاتی مسئلہ یہ ہے کہ اسلام وسیاسی دین اسلام میں پائے جانے والے تمام رجحانات پر دلالت کرتا ہے؛ کیا اس عنوان کے ذیل میں اسلام کے سیاسی رخ اور آفاقیت کے مابین ہونے والی رقابت پر گفتگو کی جاسکتی ہے ۔یہ سوال اس لئے اٹھتا ہے چونکہ بعض نے سیاسی اسلام سے متعلق مسلمانوں کے داخلی اختلافات کے سبب اس کی ہمہ گیریت اور معتبریت پر سوال اٹھائے ہیں[۱]۔ اس اعتبار سے اسلام کے تئیں پائے جانے والے افکار ورجحانات میں یکجہتی اور یکرنگی نہیں پائی جاتی چونکہ مختلف الجہات افکار کی بہتات اور کبھی کبھی متعارض نظریات کے سبب ان سب رجحانات کو کوئی ایک نام دینا دشوار ہے چنانچہ عام طورپر ان سب کو اسلامی رجحانات کا عنوان دیا جاتا ہے ؛ یہ اس کا ایسا استعمال تھا جس سے مغربی طاقتوں کی تمام ترجمہ تفریقی اور امتیازی پالیسیوں کے باوجود اسلام سے جڑے تمام افکار ورجحانات کو ایک عنوان کے تحت استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مشرقی مطالعات کی وہ شکل قرار پاتا ہے جسے ماڈرن عرب نے اسلام سے اپنی تفکیک و شناخت کے لئے ایجاد کیا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نقطۂ نظر سے اسلام کے مختلف نظریات کو سمجھنے کے لئے مستشرقین کی معکوس تھیوریاں وجودمی میں آتی ہیں یا ایک مضبوط مغربی مطالعات کا تصور ابھر کے آتا ہے۔ سرپھرے اورینٹلسٹ نے اسلام کا وہ نام نہاد تصور پیش کیا ہے جس سے ان کی اس دین کو ہلکا کرکے دکھانے کی کوشش صاف نظر آتی ہے ، ان کے لئے اسلام ، کسی چسپاں کردینے والی شی سے زیادہ کی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ اس کی ساری اہمیت ان کی رو سے محض ان معنی مفاہم کی وجہ سے جو وہ بنام اسلام اس دین سے ملحق کردیتے ہیں[۲]۔

اس طرز تفکر کے مقابل اسلام کے آفاقی مذاکراتی منشور کو مد نظر رکھتے ہوئے ایجابی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ دور حاضرین میں ، دنیائے اسلام ایک ایسے حالات سے روبرو ہے جس کی خصوصیات اور تاثیر گزاریاں اسلامی برادری قربت ویکجہتی کی فضا بھی مرتب کرسکتا ہے چنانچہ ہمیں ایسے مطالب تلاش کرنے چاہئے جو مسلمانوں کے مابین تالیف قلوب کا باعث ہوں تاہم مذاکراتی منشور کی تحلیل کے وقت ایسے محور تلاش کرنے چاہئے جو اتحاد کو فروغ دینے والے ہوں؛ کسی بھی گفتگو میں ہی وہ بنیادی بات ہے جس سے

۱۔ El-Zein, Abdul Hamid, 1977,"Beyond ideology & Theology" ,in: Annual Review of Anthropology, VI.

۲۔ ہراس بنیادین: اروپامداری و ظہور اسلام گرایی، ص ۴۷

اس کی سمت و سو، معین کی جاسکتی ہے[۱]۔ اس رو سے سیاسی اسلام ہی وہ موضوع گفتگو ہے جس سے اس دین کے سیاست عملی کا تشخص طے کیاجاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہاجاسکتا ہے کہ سیاسی اسلام کی گفتگو میں اسلام محور اصلی ہوتا ہے[۲]۔ تاہم یہ اس میں محض اعتقادی موضوع کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ انتہائی آفاقی جہتوں کو اپنے اندر سماکے رہتاہے اور پوری انسانی زندگی پر حاوی ہوتا ہے۔ اس طرح کا طرز تفکر تقریباً تمام ایسی فکری رجحانات کا جس کا اسلامی سیاست سے تعلق ہے مشترک ہے چنانچہ ان سب کو اسلامی سیاست کے زمرہ میں شمار کی جاسکتا ہے، دیگر نظریات کی رو سے جسے الیویہ روا، ہشام شرابی وغیرہ جن کا تذکرہ آگے آئے گا ایک دوسرے قسم کے سیاسی اسلام کا مشاہدہ کریں گے اور اسلامی سیاسی کے تئیں ایک جامع نگاہ کا تصور انتہائی دشوار ہے۔

سیاسی اسلام اور اس کے نبوغ کے شرائط؛ مغربی جدیدیت کا چیلنج

گلوبلائزیشن کے مقابل سیاسی اسلام کا استمرار، استحکام اور زوال پذیری اس کے منصّہ شہود پر آنے کے علل واسباب پر منحصر ہے، اسلام کا سیاسی نبوغ گذشتہ دو صدیوں میں اسلام سے جڑی تمام سرگذشت میں سب سے اہم مباحث میں سے ایک ہے دین اسلام کا سیاسی تصور دراصل اسلامی معاشروں کو درپیش مسائل سے جوجھنے کے پیش نظر معرض وجود میں آیا ہے۔ ہرایر دکجیان نے اپنے تجزیہ میں عصری اسلامی تحریکوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کوشش کی ہے کہ اس کے مختلف ادوار کو گاہے بگاہے اسلامی معاشرہ میں پیش آنے والے مسائل کے ساتھ تحلیل کرے چنانچہ اس نے ابن خلدون سے استناد کرتے ہوئے اسلامی معاشرہ کا اسے درپیش تغیرات سے ادوار میں تقابل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے تجزیہ میں اسلامی معاشروں کی عصری تحریکیں، تشخص، احکام اور ثقافت سے متعلقہ مسائل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان تمام مسائل کی جڑ اسلام معاشروں کا جدیدیت کے ساتھ رقابتی رویہ ہے۔ دکمجیاں کی رو سے اسلامی تحریکیں انہی بحرانی کیفیتوں کا ردعمل ہیں[۳]۔ اس کی نظر میں اسلام نے حاشیہ پر جانے اور اپنے آپ میں غرق ہونے کے بجائے

۱۔ Laclau & Mouffe, 2001Hegemony & Socialist Strategy , London: Verso,2nd Ed.

۲ ۔ ہر اس بنیادین: اروپامداری و ظہور اسلام گرایی، ص ۲۰

۳ ۔ دکمجیان، ہرایر، اسلام در انقلاب: جنبش ہای اسلامی در جہان عرب (بررسی پدیدہ بنیاد گرایی اسلامی)، ترجمہ حمید احمدی، ص ۳۱

جیسا کہ مغربی دنیا میں عیسائیت کے ساتھ ہوا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہی سبب بنا کہ وہاں کے دیندار عوام اور ان کی حکومتوں میں کشمکش پیدا ہوئی[۱]۔

پھر بھی دکیجیان نے محض اس کے بحرانی عوامل پر توجہ کی مگر سیاسی اسلام کے مغربی جدیدیت کے ساتھ تعامل پر قطعاً تحلیلی رخ نہیں اپنایا۔ کیا اسلامی تحریکیں ماڈرنزم کے مقابلہ اسلامی تشخص کو ثابت کرنے میں کامیاب رہیں ہیں یا نہیں اور اسلامی تحریکوں کو ایک مستقل رجحان کی حیثیت حاصل ہے یا نہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جو دکمجیاں کے تجزیہ میں تشنہ توضیح ہیں ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں کو اس دین کو درپیش مسائل سے جوڑ کے پیش کیا جائے۔ ایک الگ گفتگو میں الویہ روا نے[۲] کوشش کی ہے کہ سیاسی اسلام اور اس کے ظہور و نبوع حتی اس کی شکست کا جائزہ لے۔ اس نے سیاسی اسلام سے کو اس دین کی تجدید کاری کے رو سے دیکھا ہے۔ روا، دیکجیان کے مقابلہ سیاسی اسلام سے کم متفق ہیں اور اسے وقتی مانتے ہیں۔ اس نے اسلام کے تازہ فکری رجحانات کو روایتی علما یا بنیاد پرستوں اور اسلام سیاسی کے حامیوں[۳] کے مابین تقسیم کر دیا ہے اور اس نبرد آزما عنصر کو جسے اس نے سیاسی اسلام سے تعبیر کیا ہے اسلامی معاشروں کے سماجیات کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے دینی سماج کے اقتصادی، اجتماعی اور مشرقی وسطی کی حکومتوں کے بحرانی مسائل کا نتیجہ قرار دیا ہے جہاں ان علاقوں سے شہروں کی طرف وسیع پیمانے پر ہجرتیں ہوتی ہیں[۴]۔

ایسے میں سماج کے پڑھے لکھے لوگ جو خود تمام اسلامی تحریکوں کا سرچشمہ ہیں احساس محرومی اور بے اہمیتی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ گروہ اپنے ساتھ درپیش اس محرومی کے حالات کی وجہ سے ایک نظریہ کا سہارا لیتا ہے اور اپنی سماجی زندگی میں پائے جانے والے خلا کو اس سے پُر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس نظریہ کے سہارے انقلاب اور مضبوط حکومت جیسے خواب دیکھتا ہے۔ روا کی رو سے سوشلسٹ رجحانات کی معاشرہ میں شکست کے بعد پڑھے لکھوں کے اسلامی نظریات ایسے ہی حالات میں پھلتے پھولتے ہیں بہر حال اس کے نقطۂ نظر میں اہم بات یہ ہے کہ سیاسی اسلام، شریعت اسلامی کے تجدد کا ذریعہ اور بدل نہیں ہے لہٰذا

۱۔ جنبش ہای اسلامی در جہان عرب، ص ۲۳

۲۔ روآ، الیویہ، تجربہ اسلام سیاسی، محسن مدیر شانہ چی و حسین مطیعی امین،

۳۔ ایضاً، ص ۳۵۔۲۱

۴۔ ایضاً، ص ۵۹و۵۸

اس تحریک کی شکست بھی یقینی ہے[۱]۔ روا کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ نا مطلوب اسلامی رجحانات معاشرہ کو عدم مذہبیت اور سیکولرزم کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ اہل اسلام نے جو تازہ راستہ اختیار کیا ہے وہ آخر میں عام اور رائج سیاست کا رخ اختیار کرلے گا[۲]۔ جیسا کہ روا کے تجزیہ سے صاف واضح ہے کہ اس کی فکری بنیادیں معاشروں کو ایک نئے مغرب کی تعمیر کی طرف جھکاؤ پر وار کرتی ہیں۔ جس کی بنیاد پر وقتی طور پر اقتصادی اور اجتماعی بحران کے پیش نظر سیاسی اسلام جیسے افکار معرض وجود میں آرہے ہیں اور انہیں آخر میں شکست کا ہی سامنا ہونا ہے۔

ہشام شرابی [۳] کے کام کو بھی اسلام گرائی کی سماجیات کا ایک حصہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ شرابی نے کوشش کی ہے کہ روایتی قسم کے معاشروں کو جہاں مردوں کو سب پر بالا دستی حاصل ہوتی ہے اسلامی معاشرے کے تجزیہ کا ذریعہ قرار دیا جائے مگر سرانجام اس نے دنیائے عرب کے سیاسی وسماجی حالات کو بنیادی محور قرار دینے کے باوجود مسلمانوں کے بنیاد پرستانہ نظریات پر ہی زیادہ توجہ دی ہے چنانچہ اس کی تحقیق میں بنیاد پرستانہ نظریات کو سرمایہ کارانہ نظام کے ساتھ ملاکے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے مطابق یہ بنیاد پرستی کی وہ قسم ہے جو سرمایہ دارانہ فکر سے ملکر اپنی روایتی کیفیت سے الگ ہو گئی ہے اس طرح سے کہ اس میں وہ قدامت پسندانہ اور اصلاح طلبانہ مزاج نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے تشخص کی موجودہ بحرانی کیفیت کے پیش نظر ایک جدید، سیکولر اور جمہوری وآزادی بخش [۴] دین کے طور پر دنیائے عرب میں نظر آتا ہے۔ شرابی نے اپنی تالیف میں جو نتیجہ پیش کیا ہے اس میں ایک ایسی زندگی اور معاشرہ کو پیش کیا ہے جس میں عورتیں انقلابی تحریک میں پیش پیش ہیں اور جمہوریت کی روایتی انداز پر تنقید کی جارہی ہے[۵]۔

چنانچہ اس قسم کی نتیجہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شرابی بھی روا کی طرح مغربی جدیدیت کے نقطۂ نظر سے اسلام کے تازہ افکار ورجحانات کو دیکھتا ہے اور اسے لگتا ہے کہ اسلام کی طرف بڑھتے رجحانات عرب سرزمین پر ایک عبوری دور میں ہے اور یہ گذر جائے گا اور جدید تہذیب اس کی جگہ لے لیگی تاہم ایک سیکولر

۱۔ تجربہ اسلام سیاسی، ص ۲۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۳۔ شرابی، ہشام، پدر سالاری جدید، سید احمد موثقی

۴۔ ایضاً، ص ۲۴۴

۵۔ ایضاً، ص ۲۴۴۔۲۳۱

ڈیموکریٹیک نظام وہاں بھی غالب آجائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرابی کے نظریہ میں اسلامی معاشرہ کے بنیاد پرستانہ رویے میں مردوں اور عورتوں کا شانہ بشانہ رہنا اور اس سماج کا جدیدیت کی طرف آگے بڑھنا جس میں سرمایہ دارانہ تفکر کی آمیزش بھی ہے سب سے خاص بات ہے۔

۱۹۷۰ کی دھائی تک مغربی ممالک میں رائج سماجی رجحانات سے قطع نظر، بعض نے اسلامی معاشروں میں جنم لینے والی تحریکوں کو الگ انداز سے سمجھنے کی کوشش کی ہے البتہ عصری اسلامی تحریکوں کو سمجھنے کے لئے ان کے گذشتہ سماجی تحریکوں سے فرق کو نظر میں رکھنے کی ضرورت ہے[۱]۔اس چیز کو کاستلز کے یہاں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس نے سماجی تحریکوں کی تحلیل میں اس کا ذکر کیا ہے [۲]۔ اس کے مطابق سماجی تحریکوں میں ۳ چیزیں بہت اہم ہیں۔ تحریک کی نوعیت مخالفین تحریک اور اس کا سماجی نقطہ نظر اور مقصد کاستلز کی یہ بھی کوشش رہی ہے کہ ان تمام تحریکوں کو جو اس گلوبلائزیشن کے دور میں ظہور پذیر ہورہی ہیں ان کی نوعیت کی بناپر ہی تعریف کی جائے چنانچہ اس نے ان کی تشخیص کے لئے اسے تین حصوں میں تقسیم کیاہے۔

تحریکوں کی وہ صورت حال جو موجودہ حالت کی وجہ سے وجود میں آئے، مزاحمتی کیفیت کہ جو اپنی مفاد پرستی اور مزاحمت سے پہچانی جائے اور تیسرے وہ تحریک جس کی سیاست عملی طے شدہ ہو اور محض مزاحمت کے رد عمل تک محدود نہ ہو۔

اس لحاظ سے کاستلز کی نظر میں تمام دینی تحریکیں مغرب کی غیر ترقی یافتہ معاشروں سے تقابل کے نتیجہ میں وجود میں آئیں البتہ اس کی شروعات مغرب کی بالادستی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے [۳]۔

سیاسی اسلام اور مغرب کے مابین تقابلی تجزیہ میں بابی سعیدی کی کوشش یہ رہی ہے کہ بیسویں صدی میں اسلام کے سیاسی رجحانات کو مابعد جدیدیت [۴] اور لاکلائیو اور معرفہ کی مذاکراتی تحلیل کی بنیاد پر پیش کیا جائے۔ اس کے پیش نظر، سیاسی اسلام ایک ایسا منشور ہے جو خالص مقامی طور پر وجود میں آئے اور

۱۔ مہدویت وجہانی شدن

۲۔ نش، کیت، جامعہ شناسی سیاسی معاصر، محمد تقی دفلروز

۳۔ کاستلز، مانوئل، عصر اطلاعات: اقتصاد، جامعہ وفرہنگ، ترجمہ حسن چاوشیان وہمکاران، تہران، طرح نو، ج ۲، ص ۲۴، ۲۶

۴۔ ہراس بنیادین: اروپامداری و ظہور اسلام گرایی

جدیدیت کی بنیاد پر تشکیل پائے۔ اسلامی تشخص پر حملہ جس کی بنیادیں رسولؐ اور ان کی شریعت پر ایمان اور ان کی خلافت وجانشینی کے اعتقاد پر استوار ہیں باعث بناکہ دین اسلام کے سیاسی و تحریکی رجحانات کا احیاء ہوا اور اس آواز کو دبانے والی طاقتیں ناکام ہوئیں اور رفتہ رفتہ اسلامی معاشروں و اسلامی پیروکاروں کی سیاسی بیداری کی آواز ہمہ گیر ہوتی چلی گئی۔ بابی سعید کا تجزیہ لیوتار کی تھیوری[1] پر مشتمل ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ اسلام کا سیاسی چہرہ میں وہ بدل تھا جس نے مغربی جدیدیت یا یورپ کی قطبی اور مرکزی حقیقت کو چیلنج کیا در حالیکہ دیگر سیاسی نظریات جیسے اشتراکیت آزاد خیالی اور جدیدیت کے اصولوں سے مقابلہ نہ کرپانے کی وجہ سے عملی طور پر یورپ کی بالادستی کو نقصان نہیں پہنچاسکے، نتیجہ میں محض اسلام کا سیاسی رخ ہی ہے جو ۱۹۸۰ کے دہائی سے اب تک حالات کو متاثر کئے ہوئے ہے۔

مجموعی طور پر مذکورہ بالا تمام تجزیوں میں مذاکراتی تجزیہ سب سے بہتر طریقہ سے سیاسی اسلام کی ظہور پذیری کو عصر حاضر میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تاہم شرابی جیسے لوگوں کے تجزیے مغربی جدیدیت کی برتری کے سیاسی اسلام سے تقابل کو صحیح ڈھنگ سے نہیں پیش کرسکتے کیونکہ وہ مغربی تسلط زدہ نقطہ نظر سے، سیاسی اسلام کا تجزیہ کرتے ہیں چنانچہ یہ نظریہ، روا کی نظر میں سیاسی اسلام کے شکست اور شرابی کی نظر میں اسلامی رجعت پسندی سے تعبیر ہے۔ کاستلز کی تھیوری باوجود اس کے کہ مغربی تفکر سے بہت متاثر نظریات پر استوار نہیں پھر بھی سیاسی اسلام کا دیگر معاصر نظریات سے صحیح تقابل نہیں پیش کرسکا۔

گلوبلائزیشن اور اس کی تعریف

گلوبلائزیشن ایسا موضوع ہے جو گذشتہ چند دہائیوں سے پوری دنیا میں خصوصی توجہ کا مرکز بناہوا ہے، اس سے متعلق الگ الگ قسم کی تحلیل اور نظریات معرض وجود میں آچکے ہیں، سردست اس کی نوعیت اور کیفیت پر گفتگو مقصود ہے جس میں مختلف میدانوں جیسے اقتصادیات سماجیات، ثقافت، سیاست اور مختلف نظریات کی روشنی میں آفاقیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پائے جانے والے نظریات کو ۳ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلے اس سلسلہ کی شروعات دوسرے اس کا ایک عالمی پروجیکٹ کی شکل اختیار کرلینا اور تیسرے ایک مسلم الثبوت رجحان کی شکل اپنالینا شامل ہے۔ یان شولت نے گلوبلائزیشن کے

۱۔ جامعہ شناسی سیاسی معاصر، ص۵۱

الگ الگ معنی تحریر کیے ہیں، اس کا عالمی وآفاقی ہونا، آزادی کی یقین دہانی، اس نعرہ کی ہمہ گیریت، مغربی مقبولیت یا امریکی رنگ میں ڈھلنا ایک نیا دائرہ اثر تشکیل دیتا کیا ہے[۱]۔ مذکورہ بالا تمام صاحبان نظر نے آفاقیت کو ایک خاص تناظر میں دیکھا ہے اور اگر ہم گلوبلائزیشن کو عالمی مذاکراتی موضوع کی حیثیت سے جانچنا پرکھنا چاہیں تو سب سے پہلے ہمیں اس موضوع سے متعلق نقطہ ہائے نظر کی نہضت کا اندازہ لگانا ہوگا چنانچہ ہم ان نظریات کا جائزہ لیں گے جس میں گلوبلائزیشن کو عالمی موضوع کی حیثیت سے برتا گیا ہے۔

عالمی مذاکرات اور گلوبلائزیشن کا تجزیہ

گلوبلائزیشن، عصری ادب ونگارشات میں الگ الگ نقطہ نظر سے بحث وگفتگو کا موضوع رہا ہے البتہ اس میں آفاقیت کی نوعیت وکیفیت سے قطع نظر زیادہ تر اس کی روش پر توجہ کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے آفاقیت کو کسی عالمی منشور کے تجرباتی موضوع کے طور پر دیکھا جائے۔ سردست مواد میں نظریات کا خاصہ اختلاف نظر آتا ہے۔ شبہات اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ بعض نے اپنے نظریات کی خاطر خواہ تشریح ووضاحت نہ کرتے ہوئے آفاقیت پر اپنا تجزیہ پیش کر دیا ہے در حالیکہ عالمی منشور ومذاکرہ کے سلسلے میں نظریات الگ الگ ہیں پہلے ہم کوشش کریں گے اس سلسلے میں موجود نظریات وتحلیلوں کو پیش کریں پھر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

نورمن فرکلاس نے گلوبلائزیشن سے متعلق یوں اظہار خیال کیا ہے:

عملی طور پر آفاقیت سے ایک خاص قسم کا موضوع گفتگو سمجھ میں آتا ہے در حالیکہ یہ محض گلوبلائزیشن کی قسم ہے جسے ایک ناقابل تبدیلی واقعیت کے طور پر دیکھا جاتا ہے نئے آزاد خیالی کی روش اور تازہ سیاسی ترجیحات پر استوار آفاقیت کا ایک سلسلہ ہے[۲]۔

اگر ہم فرکلاف کے نظریہ کو لاکلائیو اور موفہ کے بیانات کی بناپر سمجھنے کی کوشش کریں تو گلوبلائزیشن کی نئی قسمیں اور جہتیں دریافت ہوں گی جیسا کہ دوسروں نے بھی گلوبلائزیشن کے نظریاتی اور

۱۔ Lyotard, J.F. The Postmodern Condition: a Report on knowledge, trans. By G.Bennington & Massumi, Manchester, Manchester University Press, 1984.

۲۔ شولت، پان، نگاہی موشکافانہ بہ پدیدہ جہانی شدن، مسعود کرباسیان

متنوع ہونے کی بات کہی ہے[۱]۔ کہ ہم آج کسی ایک منشور پر عالمی مذاکرہ کے بجائے مختلف اور کثیر الجہات گلوبلائزیشن سے روبرو ہیں۔

در حالیکہ مذکورہ نظریہ کے مقابل بعض نے عالمی سطح پر ایک موضوع گفتگو ومذاکرے کی بات کہی ہے جیسا کہ محمد رضا تاجک لکھتے ہیں:

ایک لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ گلوبلائزیشن، عالمی منشور یا عصری تہذیب سے ماوراء چیز ہے، دیگر موضوعات گفتگو کی طرح گلوبلائزیشن کا دیومالائی موضوع بھی طاقت مزاحمت شناخت، متن، حاشیہ، داخلی مسائل، بیرونی مسائل، سنجیدہ سرگذشت، کھیل کی زبان، سچائیاں، تظاہر ماورائی تصورات وغیرہ سے تشکیل پایا ہے[۲]۔

ان کی روسے گفتگو کا ماورائی اور عصری تہذیب سے پرے ہونا قدرے ابہام کا سبب ہے، گفتگو کا ماورائی تصور اس کے تجزیہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے باوجود اسی کے کہ بعض گفتگو سے متعلق نظریات، اور فرکلاف کی طرح غیر مذاکراتی چیزوں کو قبول کرتے ہیں مگر گفتگو کا ماورائی تصور ان نظریات میں پیش نہیں کیا گیا ہے لاکلائیو اور موفہ کی سطح نظر کے مطابق گفتگو میں خارجی عناصر نہیں پائے جاتے چنانچہ سب کچھ خود گفتگو کی مرکزیت کے پیش نظر قابل وضاحت ہے[۳]۔ اسی جدیدیت سے مابعد جدیدیت تک کا سفر ہر طرح کی دیومالائی تہذیب کے منافی ہے لہٰذا تہذیب کا ماورائی تصور اور گلوبلائزیشن ایک دوسرے کی ضد ہیں تاجیک نے کوشش کی مختلف چیزوں کو بغیر صراحت ووضاحت کے گلوبلائزیشن کے تعلق سے پیش کرے مگر آخر میں کاستلز کے نظریہ کی تاسی کرتے ہوئے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے گلوبلائزیشن میں مختلف چینل یا قانونی اور مزاحمتی عناصر پائے جاتے ہیں اس لحاظ سے ہمیں عالمی گفتگو کو جدیدیت مان لینا چاہئے[۴]۔ دیگر افراد جیسے گیدنز[۱]۔ گلوبلائزیشن کے جدید ہونے پر مصر ہیں اور گلوبلائزیشن اور وجدیدیت کو یکساں مانتے ہیں۔

۱۔ Fairclough, Norman, Languaage and Power, London, Longman, 2001, P 207.

۲۔ تاجیک، محمد رضا، جہانی شدن وہویت، در رہیافتہای سیاسی وبین المللی، ش ۳، تابستان، ۱۳۸۱

۳۔ Jorgensen, Marianne & Philips, Louis, Discourse Analysis As theory & method, London, Sage Publication, 2002.

۴۔ عصر اطلاعات: اقتصاد، جامعہ وفرہنگ

بعض نے گلوبلائزیشن کو پوسٹ ماڈرنزم سے تعبیر کیا ہے۔ سید عبدالعلی قوام اپنی کتاب " جہانی شدن وجہان سوم " میں گلوبلائزیشن کو پوسٹ مابعد جدیدیت کا عبوری دور تصور کیا ہے۔ ان کی نظر میں گلوبلائزیشن کی سب سے اہم خاصیت اس سے متعلق گفتگو کے قواعد کی تشکیل ہے، یہ قواعد انتہائی نامحسوس طریقہ سے جدیدیت کی تہوں میں پوشیدہ ہیں اس لحاظ سے اسی جدیدیت کی طرح جو فوکو کی نظر میں عہد قدیم کے شکم ہی کی پیداوار ہے اور اسی سے ظہور پذیر ہوا ہے آفاقیت بھی اسی قسم کے عناصر کا نتیجہ ہے۔ اس اعتبار سے آفاقیت اور جدیدیت دو الگ الگ جہتیں قرار پائیں گی جن کا آپس میں تقابل کیا جانا چاہئے البتہ یہ دھیان رہے ، کہ جدیدیت یورپ کی پیداوار اور سب کی افسانوی ودیومالائی تخلیقات کے سبب وجود میں آئی ہے مگر گلوبلائزیشن ایک ایسی تبدیلی ہے جو عالمی سطح پر محسوس کی جاسکتی ہے جو ہر قسم کی فکر و تہذیب کو شامل کیے ہوئے ہے تاہم اس سے آفاقیت کا خاکہ بہت چھوٹا ہے یہاں تک کہ اس سے بہت سے جدیدیت کی کذب وافترا پردازیاں بھی روشن ہو جاتی ہیں[۲]۔

بہر حال ایسا لگتا ہے کہ اکثر کے اعتبار سے آفاقیت، مابعد جدیدیت کی ایک عبوری حالت ہے چنانچہ اسے جدیدیت کے مقابل ایک نئے موضوع گفتگو کی حیثیت حاصل ہے[۳]۔ پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ گلوبلائزیشن عملی طور پر کن نئے عنوانات کو وجود بخشتا ہے؟ جدیدیت کے تصور کے سقوط وزوال کے بعد اور عالمی سطح پر اس کے مرکزی موضوعیت کے خاتمہ کے بعد دیگر عالمی وجہانی موضوعات گفتگو ومذاکرے اس کی جگہ لے سکتے ہیں؟

اختلاف آراء کے پیش نظر گلوبلائزیشن زیادہ مناسب عنوان ہے جو موجودہ صورتحال میں گفتگو کا موضوع قرار دیا جاسکتا ہے البتہ اس مسلم الثبوت حیثیت سے متعلق بھی مختلف نظریات ہیں اور تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ ہر ایک اپنے لحاظ سے آفاقیت کی تعریف کر رہا ہے۔ آفاقیت ٹکنالوجی کے فروغ اور زمان ومکان کے فاصلے سمٹ جانے کے سبب ایک اہم موضوع گفتگو میں تبدیل ہو گیا ہے۔

۱۔ قوام، سید عبدالعلی، جہانی شدن وجہان سوم، تہران، ص۵۶۔۲۵۵

۲۔ جامعہ شناسی سیاسی معاصر ، ص۔۹۶

۳ ۔ ایضاً

عالمی موضوعات، اختلاف نظر کے سبب ایسی صورت حال کے شکار ہوگئے ہیں جہاں ہر ایک آفاقیت جیسے موضوع کو اپنے لحاظ سے بیان کرنے میں مصروف ہے۔ دیوڈ ملذ اور انٹونی میک گرونے آفاقیت سے متعلق نظریات کو دو گرہوں پر تقسیم کیا ہے[۱]۔ شولٹ نے ۶ اہم نظریات کو اس سلسلے میں بیان کیا ہے[۲]۔ اس لحاظ سے گلوبلائزیشن کے اس دور میں عالمی معاشرہ ایک آفاقی سماج میں تبدیلی ہوکے رہ گیا ہے جہاں بیک بہت سارے موضوعات پر گفتگو اور اختلاف رائے ہوتی ہے ظاہر ہے ایسے معاشروں میں بالادستی کی ہوڑ آسانی سے جغرافیائی اور سرحدی تبدیلی کا باعث نہیں بنتی تاہم ایک خاص معاشرہ میں کچھ خاص اور محدود موضوعات ہی توجہ کا مرکز رہتے ہیں۔

ایک اور بات جو گلوبلائزیشن کے تعلق سے پائے جانے والے مختلف نظریات کے بارے میں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اگر ہم گلوبلائزیشن کو اکلوتا آفاقی موضوع مانیں تو پھر اس میں زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی جیسے سیاسی ودیگر مسائل کے بارے میں مستقل رائے اور اس کا حل ہونا چاہئے در حالیکہ محض یہ مان لینا کہ گلوبلائزیشن ایک آفاقی موضوع ہے بہت سارے سیاسی سوالات کے جواب فراہم نہیں کرتا۔ گلوبلائزیشن بھی قوم پرستی جیسے دیگر موضوعات کی طرح انسانی زندگی کے دیگر موضوعات کی طرز پر ہی دیکھا جانا چاہئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آفاقیت سے متعلق موجودہ تمام اہل نظر نے اس سے متعلق اپنی رائے کو کسی خاص مکتب فکر سے جوڑ کر پیش کیا ہے چنانچہ سب نے اسے اپنے لحاظ سے تفسیر کیا ہے جیسے کہ ہم جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آفاقیت جیسی اصطلاحات میں دیکھتے ہیں۔

لاکلائحو اور موفہ نے گلوبلائزیشن سے متعلق اپنے نظریہ کو ہجمونی اور سوشلسٹ اسٹریٹجی " نامی کتاب کے سکینڈ ایڈیشن کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے چند بائیں بازو کے نظریات کی تردید کرتے ہوئے اسے آزاد کیپٹلیزم کے خلاف مقابلہ کے مناسب حالات کے طور پر جانا ہے آفاقیت اور جدیدیت آزاد خیالی کو انہوں نے ان کی رو سے محض ایک سفسطہ مانا ہے۔

جب جب گلوبلائزیشن کو اطلاعات وٹکنالوجی کی پیشرفت کا نتیجہ قرار دیکر بیان کیا جاتا ہے جس کی سیاسی جہتیں ہمارے لئے ایسی تصویر بن کے سامنے آتی ہیں جسے تسلیم کرنے کے علاوہ ہمارے پاس دوسرا کوئی

۱۔ نگاہی موشکافانہ بہ پدیدہ جہانی شدن، ص ۸۔۷

۲۔ Laclau & Mouffe, op.cit,pp.Xvii.

چارہ نہیں ہوتا ہے۔ بہر حال اتنا تو طے ہے کہ عالمی سطح پر دائیں اور بائیں بازو کی سیاست کے اب کوئی معنی نہیں رہے بلکہ دنیا بھر کے اقتصادی بحران سے نجات کے لئے یا اچھی سیاست ہے یا بری سیاست۔ اگر ہم مجموعی رابطوں کی بناپر سوچیں تو ہمیں ان مغالطوں سے دور ہونا پڑے گا۔ گلوبلائزیشن کے ہمہ گیر ہونے کے دعوے اور عالمی سطح پر محض اسی موضوع کا قابل مذاکرہ قرار دینا، لاکلائیو اور موفہ کے وہ مغالطے ہیں جو جدید آزاد خیالی کے حامیوں کی طرف سے آزاد خیال جمہوریت کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں۔ ہوارث[1] کی نظر میں سماجی تقسیم بندی کو عالمی سطح پر موضوع گفتگو قرار دینے کے لئے تین (۳) باتیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ایسے رابطوں کو فروغ دیا گیا جو تفریق وامتیاز پر منحصر تھے اور اس سے محض دشمن وجود میں آئے تاہم اس کے نتیجہ میں یہ خیال کیا گیا کہ اس سے ہماری سرحدیں محفوظ رہیں گی۔

۲۔ اپنے قومی اور علاقائی تشخص کے لئے رابطوں کو ایک خاص انداز میں تشکیل دیا گیا۔

۳۔ رابطوں میں تفکیک کے بعد اسے کسی عالمی ایجنڈے پر اپنے تشخص کے اعتبار سے اپنا موقف پیش کرنا۔ مذکورہ صورت حال کے پیش نظر، گلوبلائزیشن کا موضوع مزید اختلافات کا شکار ہوگیا ہے اور ہر مکتب خیال اپنے تصور کو ہی درست مان کے گفتگو کرتا ہے۔ اسی سے جدیدیت اور مابعد جدید اور پوسٹ ماڈرن نیز مذہبی نقطہ نظر کا اختلاف آفاقیت سے متعلق شروع ہوجاتا ہے ایسے میں اسلام کے سیاسی نقطۂ نظر کو نئے چیلنج کا سامنا ہوتا ہے۔

دین اسلام کا سیاسی رخ: عالمی اور آفاقی ہونے کے امکانات اور دشواریاں

مذکورہ بالا گفتگو کے پیش نظر اب اس سوال کا جواب فراہم کرنا لازمی ہے کہ گلوبلائزیشن نے دین اسلام کے لئے کیا کیا مواقع اور موانع فراہم کے ہیں اس لئے سب سے پہلے ہمیں گلوبلائزیشن سے متعلق جملہ نظریات پر نظر ثانی کرنی پڑے گی اور پھر اسی کے مطابق دین اسلام کے سیاسی پہلو کو پیش کرنا ہوگا چنانچہ لاکلائیو اور موفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ امکانات اور چیلنجز کو کسی بھی موضوع سے متعلق مختلف آراء کے درمیان پائی جانے والی نسبت سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ امکان یا مواقع ایسی حالت کو کہتے ہیں جو کسی بھی چیز سے متعلق غالب افکار کے مقابل تازہ راستے فراہم کرے تاہم کسی ایک اہم نظریہ پر یا

---

۱. Laclau Emesto. New Reflec

موضوع کے کمزور ہو جانے اور اس کی جگہ کسی دوسرے نظریہ یا موضوع کے آجانے کی صورت میں اس سے متعلقہ امکانات کی اہمیت دو چندان ہو جائے[۱]۔

موجودہ عالمی منظر نامہ میں بالخصوص بہت سارے تسلیم شدہ فکری رجحانات کے خاتمے کے بعد جمہوریت نے کم و بیش دیگر عالمی افکار کو تحت الشعاع قرار دے رکھا ہے ڈھیروں رجحانات جیسے دینی بنیاد پرستی، نسوانیت، بایاں فکری محاذ، حتی سیاسی اسلام اور دیگر بہت سے نظریات، جدیدیت جیسے موضوعات کے آتے ہی آجکل اس دور میں کم توجہی کا شکار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس موضوع کی ہمہ گیریت گذشتہ چند دہائیوں سے سب پر آشکار ہے تاہم جدیدیت کا استمرار ہے۔ مشرقی بلاک اور اشتراکیت کے بعد، امریکہ میں لبرل ڈیموکریسی نے خود کو اکلوتے بدل کے طور پر متعارف کرایا چنانچہ آج امریکہ اپنے فوجی اور اقتصادی دبدبہ کے سبب متلاشی ہے کہ اس نظریہ کو بھی بچائے رکھا جائے۔

جدیدیت سے متعلق گفتگو میں بحرانی کیفیت اور اسی آزاد فکر جمہوریت کے تعلق سے آراء کا تشتت دراصل اس کی صحیح تعریف کے فقدان کے سبب جسے قدیم مفکرین نے اسے بیان بھی کیا ہے[۲] تاہم اس میں بھی کافی حد تک انسانی زندگی کے مادیت زدہ ہونے اور معنویات سے دور ہونے کے سبب ایسا ہوا ہے دوسری طرف پوسٹ ماڈرنزم سے جڑے اہل نظر کی تنقیدوں نے اسے مزید پیچیدہ بنادیا ہے۔ اس طرح سے کہ انہوں نے خود ماڈرنزم سے متعلق سوال اٹھایا ہے، در حالیکہ ان تمام تنقیدوں کے باوجود ابھی بھی لبرل گفتگو نے اپنی ماڈرن موضوعیت کو محفوظ کر رکھا ہے البتہ یہ سچ ہے کہ موجودہ صورت حال کو ماڈرنزم کے زوال اور کسی نئے تصور کے جاگزین ہونے کو یقین سمجھ لینا چاہئے۔

ماڈرنزم کے زوال کو دو رخ سے سیاسی اسلام کے لئے اکیسویں صدی میں نئے مواقع وامکانات کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے۔ پہلی امکانی صورت کو ایسے مفکرین کے تجزیوں سے جوڑ کے دیکھنا چاہئے جنہوں نے گلوبلائزیشن کو ادیان کی بازگشت کا دور قرار دیا ہے۔ جارج واگل کا ماننا یہ ہے کہ آج ہم عالمی سطح پر دینی بیداری کی ایسی تحریکوں کو مشاہدہ کر رہے ہیں جس سے بین الاقوامی سطح کے سیکولرزم کو نقصان پہونچنے والا

۱۔ ہوارث، دیوید، گفتمان، در دیوید مارش وجری استوگر، روش و نظریہ در علوم سیاسی، امیر محمد حاج یوسفی، ص۔۲۰۵

۲۔ Laclau,Ernesto. New Reflection on the Revolutions of Out Time, London, Verso, 1990

ہے[۱]۔ اس لحاظ سے بیسویں صدی آخری ماڈرن اور سیکولر صدی قرار پائیگی تاہم اکیسویں صدی عقلی روشن فکری سے لیکر دینی بیداری کے نتیجہ میں کم از کم پوسٹ سیکولر دور میں داخل ہوگی[۲]۔ در اصل عصری دینی رجحان، تیسری دنیا یا تھرڈ ولڈ کی سیکولر قوم پرستی، پر مادیت زدہ سرمایہ داری، ترقی یافتہ ممالک اور کمیونزم یوروپ پر منحصر اور استوار ہیں[۳]۔

عصر حاضر میں ادیان کی بازگشت کی بنیادی وجہ خود ادیان کی معنوی جوابدہی اور افکار کی کوشش ہے۔ براؤن نے بھی دنیا کے مستقبل سے متعلق اظہار خیال کرتے وقت اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ ادیان اپنی آفاقی اشتراکیت گرائی کے سبب دلکش ترین نظریہ کی حقیقت رکھتے ہیں ایسے میں آفاقیت ان کی اہمیت دو چندان ہو جاتی ہے۔

عصر حاضر میں دینی نظریات کی اہمیت کا اندازہ دنیا کے دیگر معتبر و مقبول نظریات سے لگایا جاسکتا ہے اس طرح سے کہ بعض اوقات ایک رجحان جو عالمی سطح پر حاوی ہو اسے کمزور بنا کر پیش کرنے کی فضا ہموار کرکے رفتہ رفتہ بعض کمزور نظریات بھی بین الاقوامی سطح پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتے ہیں[۴]۔

مذکورہ اقتباسات کے مد نظر، آفاقیت کے اس دور میں سیاسی اسلام کے لئے اہم بات دنیائے اسلام میں اس کا فعال ہونا اور اسلامی تشخص کی طرف اس کی بازگشت ہے، در اصل یہ تشخص وہویت سے جڑے ہوئے نظریات کا ایک سلسلہ ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے ہیں جیسے نسوانیت کے بعد عالمی سطح پر مذہبی شدت پسندی مختلف ادیان کے سامنے ماننے والوں بالخصوص یہودیوں، عیسائیوں اور حتی بعض جگہوں پر مسلمانوں کے درمیان بھی نظر آئی ہیں۔

اسلامی تشخص ہی وہ چیز ہے جس کے سہارے سیاسی اسلام نے دنیائے اسلام میں جدیدیت کے خلاف اپنی اولویت و برتری کو برقرار رکھا ہے[۵]۔ اس سے مغرب کی مرکزیت کو خاص نقصانات پہونچے ہیں

۱۔ گنون، رنہ، بحران دنیای متجدد، ضیاء الدین دہشیری

۲۔ ہینس، جف، دین، جہانی شدن وفرہنگ سیاسی در جہان سوم، داود کیانی، ص ۱۹

۳۔ ایضاً

۴۔ ہینس، جف، پیشین، ص ۶۴

۵۔ ایضاً، ص ۶۹۔۶۸

اور ظاہر ہے یہ کسی اور طریقہ سے ممکن بھی نہیں تھا[۱]۔ ظاہر سی بات ہے کہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں سیاسی اسلام بھی اپنی خصوصی شناخت پر منحصر رہتے ہوئے دیگر ہویتوں پر اپنی برتری برقرار رکھے گا۔ کاستلز نے اسی بات کا ذکر کیا ہے[۲]۔

غور طلب ہے کہ ابھی آزاد خیال جمہوریت کا موضوع پورے طور پر زوال پذیر نہیں ہوا ہے اور اس نے کسی جہت سے اپنا تسلط محفوظ رکھا ہوا ہے چنانچہ اس اعتبار سے سیاسی اسلام کے لئے ابھی کچھ چیلنج باقی ہیں یہی پوسٹ ماڈرنزم کا نعرہ بھی اسلام کی سیاسی مقبولیت کی راہ میں مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب اہم مسئلہ اسلام کو آفاقیت سے ربط دینے کا ہے کیونکہ اسے آفاقیت سے ہماہنگ کرنے کی راہ میں کہیں نہ کہیں دینی بالادستی کو ٹھیس پہونچنے کا اندیشہ ہے تاہم اس سے اسلامی تشخص کو بھی نقصان پہونچ سکتا ہے۔ سیکولرزم اور مغربی تعلیمات کو بھی کسی حد تک تعاون مل سکتا ہے[۳]۔ مفکرین اسلامی کی طرف سیاسی وسماجی مسائل پر اسلامی تشخص کے پیش نظر اظہار نظر نہ کرنا بھی اسلام کے سیاسی رخ کو نقصان پہونچا سکتا ہے[۴]۔

گلوبلائزیشن کے اس دور میں دین اسلام کے لئے جو اہم مسائل ہیں ان میں اس بات کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوگا کہ گلوبلائزیشن کے اس پورے دور میں مغربی جدیدیت کی مرکزیت کے خاتمہ سے اسلام کے سیاسی نظریہ کو جو مواقع فراہم ہوئے ہیں وہ بہت اہم ہیں دوسری طرف اس کا اعتبار اور ہر جگہ اس کی موجودگی اس کا اہم پہلو ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر نظریات کا زوال یا اسلام کو روکنے کی کوششوں کا اس پر کوئی منفی اثر نہیں ہوگا۔

گذشتہ کچھ عرصہ میں اسلام کے سیاسی نظریہ کی بین الاقوامی مقبولیت اسے عالمی سطح پر تمام سیاسی وسماجی محاذ پر مقبول ترین لائحہ عمل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

۱۔ Laclau, Ernesto, op.cit, p.66.

۲۔ ہر اس بنیادین: اروپامداری وظہور اسلام گرایی، ص ۱۲۹

۳۔ ایضاً، ص ۹۰

۴۔ Rorty, Richard, Contingency, Solidarity, & Cambridge, Cambridge University Press, 1989

نتیجہ

سیاسی اسلام ایسا موضوع ہے جو گذشتہ دو صدیوں بالخصوص دو دہائیوں اور ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد جدیدیت سے روبرو ہے اور عالمی سطح پر توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کلاسیکی نظریات اور مکاتب فکر میں سیاسی اسلام کو بیشتر جدیدیت کی عینک سے دیکھا گیا اور " روا" جیسے قلمکاروں نے اسے ناسازگار ، ناکام اور شکست آمیز جیسے نظریہ سے تعبیر کیا علاوہ ازیں، مابعد جدیدیت کا تصور اور ایک خاص نقطہ نظر سے کئے جانے والے مطالعات نے اسلام کی قدرے مختلف تصویر پیش کی۔ درحالیکہ گذشتہ دو دہائیوں میں مابعد جدیدیت اور گلوبلائزیشن نے سیاسی اسلام کے لئے بالکل مختلف حالات پیدا کردئے جیسا مذکورہ اقتباسات میں استدلال کیا گیا ہے۔ گلوبلائزیشن ، نظریاتی گفتگو ومذاکرے کے لئے بالکل تازہ صورت حال فراہم کرتا ہے البتہ ابھی دنیا پر آزاد خیالی اور جمہوریت کا نظریہ غالب ہے مگر مابعد جدیدیت پر ہونے والی تنقیدیں اور جدیدیت کی داخلی بحرانی کیفیت، اسلام کے سیاسی نظریہ کے لئے مناسب فضا ہموار کررہی ہے۔ امید ہے اسلام حقیقی اور مسلمانوں کا تشخص دونوں عنقریب بحال ہوسکیں گے۔

منابع و مآخذ

- موثقی، سید احمد، جنبشهای اسلامی معاصر، تہران، ۱۳۷۲
- بابی، سعید، هراس بنیادین: اروپامداری و ظهور اسلام گرایی، غلامرضا جمشیدیها و موسی عنبری، انتشارات دانشکده تہران، تہران، ۱۳۷۹
- بهروزلک، غلام رضا، مهدویت وجهانی شدن، کتاب نقد، ش ۲۴
- دکمجیان، هرایر، اسلام در انقلاب: جنبش های اسلامی در جهان عرب (بررسی پدیده بنیاد گرایی اسلامی)، حمید احمدی، ، انتشارات کیهان، تہران ، ۱۳۷۷
- روآ، الیویه، تجربه اسلام سیاسی، محسن مدیر شانه چی و حسین مطیعی امین، انتشارات الهدی، تہران، ۱۳۷۸
- شرابی، هشام، پدرسالاری جدید، سید احمد موثقی، نشر کویر، تہران، ۱۳۸۰
- نش، کیت، جامعه شناسی سیاسی معاصر، محمد تقی دلفروز، انتشارات کویر، تہران، ۱۳۸۰

- کاستلز، مانوئل، عصر اطلاعات: اقتصاد، جامعہ وفرہنگ، ترجمہ حسن چاوشیان وہمکاران، ، طرح نو، تہران ، ۱۳۸۰ ـ شولت، پان، نگاہی موشکافانہ بہ پدیدہ جہانی شدن، مسعود کرباسیان، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۸۲
- قوام، سید عبدالعلی، جہانی شدن وجہان سوم، دفتر مطالعات سیاسی وبین المللی، تہران، ۱۳۸۳
- ہوارث، دیوید، گفتمان ، دیوید مارش وجری استوگر، روش ونظریہ در علوم سیاسی، امیر محمد حاج یوسفی، پژوہشکدہ مطالعات راگبردی، تہران، ۱۳۸۷
- گنون، رنہ، بحران دنیای متجدد، ضیاء الدین دہشیری، انتشارات امیر کبیر، تہران ، ۱۳۷۸
- ہینس، جف، دین، جہانی شدن وفرہنگ سیاسی در جہان سوم، داود کیانی، پژوہشکدہ، مطالعات راہبردی تہران، ۱۳۸۱
- Lyotard, J.F. The Postmodern Condition: a Report on knowledge, trans. By G.Bennington & Massumi, Manchester, Manchester University Press, 1984.
- Eliade, Encyclopedid of Religion, Macmillan Publishing Company, Inc, Electronic edition produced by Infobases, Onc., Provo, Urdu.